ایس-اے-رحمٰن

’’قراردادِ مقاصد‘‘، مسلمانان پاکستان اور اقلیتیں

آنریبل خان لیاقت علی خان، وزیر اعظم پاکستان، نے دستور ساز اسمبلی میں مورخہ ۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو ’’قرارداد مقاصد‘‘ پیش کی۔ اس قرارداد پر پانچ دن تک بحث ہوتی رہی اور بالآخر اسمبلی نے اسے ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاس کر دیا۔ غیر مسلم ممبروں نے کئی ایک ترمیموں کی تحریک کی اور باوجود یہ کہ محرک اور دیگر مسلم مقرروں نے اپنے موقف کی کافی حد تک وضاحت کر دی، انہوں نے ان ترمیموں پر اصرار کیا۔ تمام ترمیمیں اسمبلی میں گر گئیں۔ ان ترمیموں سے اس مخفی شبہ کا سراغ ملتا ہے جو غالباً اقلیتوں کے دماغوں میں دبکا ہوا ہے کہ اکثریت اُن کے حقوق کی پامالی روا رکھے گی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شبہ کے لیے قرارداد کے الفاظ میں کوئی ٹھوس بنیاد موجود ہے یا نہیں۔

آغاز میں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دماغوں میں ’’قرارداد مقاصد‘‘ کی حدود کا ایک واضح تصور موجود ہو۔ جیسا کہ وزیر اعظم نے بیان کیا، ’’قرارداد‘‘ اُن بڑے بڑے اصولوں پر مشتمل ہے جن پر آئندہ دستور پاکستان کی عمارت کھڑی ہو گی۔ اس کا دستوری آئین کے ساتھ اشتباہ جائز نہ ہو گا۔ دستور اساسی میں لازماً وہ تمام تفصیلی دفعات ہوں گی جو ایسی دستاویزات میں عموماً پائی جاتی ہیں۔ قرارداد مقاصد آئندہ دستور کے سرکاری یا غیر سرکاری مسودہ نگاروں کے لیے بمنزلہ ہدایت ہے کہ وہ ان بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی کے مجاز نہیں۔ کئی ایک ترمیمیں جو اسمبلی میں پیش کی گئیں، غالباً اس حقیقت کی غلط تعبیر پر مبنی تھیں۔

ایک اور امر جس پر تاکیدی زور ضروری ہے، یہ ہے کہ ’’قرارداد‘‘ کی تفسیر بحیثیت مجموعی کی جانی چاہیے۔ یہ دستوری دستاویزات کی تعبیر و تفسیر کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔ قرارداد کی مختلف شقوں کی باہم تطبیق کر کے ہی ہم اُن کے صحیح حدود اور معانی تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

آیئے اب ہم ’’قرارداد‘‘ کا جائزہ لیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

> ہر گاہ کہ تمام کائنات پر حاکمیت خدائے بزرتر ہی کے لیے ہے اور وہ اقتدار جو اُس نے مملکت پاکستان کو جمہور پاکستان کے توسط سے اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کے لیے تفویض کیا ہے، ایک مقدس امانت ہے۔
>
> یہ دستور ساز اسمبلی جمہور پاکستان کی نمائندہ ہونے کی حیثیت سے عہد کرتی ہے کہ

سلطان و آزاد مملکت پاکستان کے لیے ایک دستور مرتب کرے گی۔
جس میں مملکت اپنے اختیارات و اقتدار کو جمہور کے منتخب نمائندوں کی معرفت استعمال کرے گی۔
— جس میں جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور معاشری عدل کے اصولوں پر اسلامی تصریحات کے مطابق، پوری پابندی کے ساتھ عمل ہوگا۔
— جس میں مسلمانوں کو قرآن اور سنت کی تعلیمات اور تقاضوں کے مطابق، انفرادی اور اجتماعی حلقوں میں، اپنی زندگیاں منظم کرنے کے قابل بنایا جائے گا۔
— جس میں کافی گنجائش رکھی جائے گی تاکہ اقلیتیں آزادانہ اپنے مذاہب کا اظہار اور اُن پر عمل کر سکیں اور اپنی ثقافتوں کی نشوونما کر سکیں۔
— جس کی رُو سے وہ علاقے جو اب پاکستان میں شامل ہیں، یا جن کا الحاق اس سے منظور ہو چکا ہے اور دیگر علاقے جو بعد میں اس میں شامل کیے جائیں یا جن کا الحاق اس سے منظور ہو، ایک وفاقیہ قائم کریں گے جس میں وفاقی اکائیوں کو اقتدار اور اختیار کے لحاظ سے مقرر کردہ پابندیوں اور حدوں کے اندر خود اختیاری حاصل ہوگی۔
— جس میں بنیادی حقوق جن میں حیثیت قانونی اور مواقع کی یکسانی بہ نظر قانون، مساوات، معاشری، اقتصادی و سیاسی عدل اور فکر، اظہار رائے، عقیدہ، مذہب، عبادت اور انجمن سازی کی آزادی شامل ہوں گے، کی ضمانت، قانون اور عمومی اخلاق کی حدوں کے اندر موجود ہوگی۔
— جس میں اقلیتوں اور پسماندہ اور زیردست طبقات کے جائز مفادات کی حفاظت کے لیے کافی گنجائش رکھی جائے گی۔
— جس میں عدلیہ کی آزادی کی کامل طور پر نگہداشت کی جائے گی۔
— جس میں وفاقیہ کے علاقوں کی سالمیت، اس کی آزادی اور اس کے حقوق، جن میں بری، بحری، فضائی، سلطانی حقوق شامل ہوں گے، کی حفاظت کا ذمہ لیا جائے گا۔
تاکہ جمہوریہ پاکستان برومند ہو، اور اقوام عالم میں اپنا جائز اور باعزت مقام پالے اور بین الاقوامی امن و ترقی اور بنی نوع انسان کی راحت و آسودگی کی تخلیق میں پورا حصہ لے سکے۔

ان ترمیمات سے قطع نظر جو محض لفظی تبدیلیوں سے متعلق تھیں، اصل ترمیمات جو اقلیتوں کے نمائندوں کی طرف سے پیش کی گئیں، کا مقصد یہ تھا کہ قرارداد میں سے اسلام اور اس کی

تعلیمات کے تمام حوالے حذف کر دیے جائیں۔ اعتراض یہ کیا گیا کہ مذہب اور سیاست کا امتزاج نہیں ہونا چاہیے کہ جمہور کے قانون سازی کے اختیارات پر کوئی الٰہیاتی پابندیاں عائد نہیں ہونی چاہییں، اور یہ کہ پاکستان کا دستور اساسی ایک لادینی جمہوریہ کا دستور ہونا چاہیے۔ اعتراض من جملہ اور باتوں کے اس شق پر بھی کیا گیا جس کی رو سے اعلان کیا گیا کہ مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی دائرہ کار میں اپنی زندگیاں اسلام کی تعلیمات اور تقاضوں کے مطابق، قرآن اور سنت کی روشنی میں منظم کر سکیں گے۔ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ کیا یہ اعتراضات اقلیتوں کے حقوق کی نگہداشت یا عمومی جمہوری نقطہ نظر کی رو سے جائز ہیں؟

میں صاف گوئی سے کام لے کر کہوں گا کہ میں اس شق پر، جس کا مقصد مسلمانوں کو اپنی زندگیاں احکام اسلامی کے مطابق گزارنے کے لیے سہولتیں بہم پہنچانا ہے، کسی اعتراض کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ یہ ظاہر ہے کہ مسلمان ہی پاکستان کی آبادی میں اکثریت رکھتے ہیں۔ اگر مسلم اکثریت انفرادی اور اجتماعی طور پر، اپنے دین کے احکام پر عمل کرنا چاہتی ہے تو اقلیتوں کے لیے یہ ایک غیر جمہوری اقدام ہو گا کہ وہ تجویز کریں کہ اسے اس کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ آخر جمہوریت کے معنی کیا ہیں؟ اگر تجزیہ کیا جائے، تو جمہوریت کے معنی اس کے سوا اور نہیں ہو سکتے کہ حکومت کی ایک ایسی شکل ہو جس میں مملکت کے اہلیت رکھنے والے شہریوں کی اکثریت کی رائے کا احترام کیا جائے۔ مسلم آبادی اپنا طرز زندگی اقلیتوں پر ٹھونسنا نہیں چاہتی۔ ان کی صرف اسی قدر خواہش ہے کہ انہیں ایسی آزادی اور سہولتیں میسر ہوں کہ وہ اپنی اچھی زندگی کے تصور کی پیروی کر سکیں۔ اس سے اقلیتوں کے حقوق یا مفادات پر کس طرح زد پڑتی ہے، ایک فہیم شخص کی سمجھ سے باہر ہے۔ اقلیتوں کے نمائندوں کو یہ یاد دلانا بے جا نہ ہو گا کہ مسلمانوں سے اس بارے میں اپنے حقوق سے دست برداری کی توقع رکھنا اس امر کے مترادف ہے کہ وہ پاکستان کے بنیادی تصور کو ہی جھٹلا دیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مسلمانوں نے عظیم قربانیاں کر کے پاکستان حاصل کیا ہے اور انہوں نے اس کے لیے خون اور آنسوؤں کی صورت میں بھاری قیمت ادا کی ہے۔ وہ اب اپنا مضحکہ خود نہیں اڑا سکتے اور اس بارے میں اقلیتوں کی رائے کو تسلیم نہیں کر سکتے، بالخصوص جب کہ اس طریق کار سے اقلیتوں کے مفادات اثر پذیر نہ ہوتے ہوں۔

ان اعتراض کے پس پشت درحقیقت وہی بنیادی سوال ہے۔ کہ آیا مذہب و سیاست میں تفریق ہونی چاہیے یا نہیں۔ اس مسئلہ پر دنیا دو محاذوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ایک طرف تو عمومی طور پر مسلم ممالک ہیں اور دوسری جانب مغربی جمہوریتوں کی ٹکڑی اور ان کے حواری ملک ہیں۔ یہ خلیج دو نظریوں کے اس تصادم سے عبارت ہے جس کی صدا زمانہ کے ایوان میں صدیوں سے گونج رہی

ہے۔ دہری یا لادینی فرقوں کا موقف آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ وہ تو انسان کی دنیا سے خدا کو نکال دینا چاہتے ہیں، لیکن خدا کے ماننے والوں کے لیے اس سے مفر نہیں کہ جب وہ آئندہ اجتماعی زندگی کی بنیادیں رکھ رہے ہوں، تو وہ آغاز کار خدا کے مقدس نام سے کریں۔ مخالف نظریات کے حامیوں نے لادینیت کو بھی ایک دین کی تقدیس عطا کر دی ہے۔ ان کے دین میں مملکت یا قوم خدائے قدوس کی جگہ لے لیتی ہے۔ اس دین کا سب سے مقتدر رسول اطالوی میکیاولی تھا۔ اس مذہب کے پجاری، اخلاقی سطح پر اپنے مقصد کے حصول کے لیے ہر ذریعہ کو، خواہ وہ جائز ہو یا ناجائز، اپنانے میں تامل نہیں کرتے۔ درست یا نادرست کے کسی معروضی معیار کے مقابلہ میں سیاسی مصلحت ہی ان کے الہام کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اقلیتیں ایک ایسی اکثریت کے ماتحت اپنے آپ کو محفوظ تر محسوس کریں گی، جو سیاسی مصلحت کے من مانے تقاضوں کے علاوہ کسی اعلیٰ اصول کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتی یا ایسی اکثریت کے اقتدار تلے، جو ایک بیرونی، ماورائی ہستی سے ان قواعد کے تعین کے لیے طالب ہدایت ہو جن کا تعلق ان کے کردار سے ہوگا؟ انسانی امور کے ایک بے تعصب طالب علم کے لیے اس سوال کا جواب واضح ہونا چاہیے۔ کیا یہ انصاف پسندی کی اعلیٰ ترین ضمانت نہ ہوگی کہ ایک اکثریت، اقلیت کو اس بات کی پیش کش کرے کہ اس سے سلوک انہی ابدی اخلاقی اصولوں پر مبنی ہوگا جن کی اکثریت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پابند رہے گی؟ یقیناً وہ اپنے خالق حقیقی کا نام بے فائدہ طور پر درمیان میں نہیں لا رہے۔

دستور ساز اسمبلی میں بعض غیر مسلم مقررین نے یہ اشارہ کیا کہ اگرچہ "قرارداد مقاصد" کے موجود داعی وسیع الخیال ہوں گے، لیکن ان کے جانشین ممکن ہے، مختلف رائے رکھتے ہوں اور اس طرح سے تعصب کے لیے اقلیتوں کے حقوق کو پامال کرنے کی راہ نکل آئے گی، لیکن اس بارے میں یہ ملحوظ رہے کہ اقلیتوں کے لیے اصلی پروانہ حفاظت اکثریت کی خیر سگالی میں ہی مضمر ہوتا ہے۔ اگر وہ خیر سگالی کا جذبہ مفقود ہو تو ہر قسم کے کاغذی ضمانت نامے بے کار ہوں گے۔ یہ باہمی مفاہمت کا مسئلہ ہے اور اگر خیر اندیشی کا جذبہ دونوں طرف موجود ہو، تو ایک ایسے موزوں نظام حکومت کی تخلیق پر دقت نہیں ہونی چاہیے جس کے تحت مختلف گروہ ہر قسم کے دباؤ سے کامل طور پر آزاد ہو کر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر مجھے اجازت ہو تو یہ کہوں گا کہ اس قسم کا اعتراض درحقیقت اسلام کے خلاف لاعلمی کے تعصب کا نتیجہ ہے۔ بدقسمتی سے یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں نے اس بارے میں اپنا فرض ادا نہیں کیا اور انہوں نے اسلام کے بنیادی اصولوں کو اشتراک عمل کے ساتھ ان کے اصلی روپ میں اقلیتوں کے سامنے پیش نہیں کیا۔ قرآن مجید اور سنت رسولؐ کے مطالعہ سے ہر بے تعصب شخص یقین کے درجہ تک پہنچ سکتا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول کسی گروہ کے ساتھ چھوٹی

سے چھوٹی ناانصافی بھی روا نہیں رکھ سکتے۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کے لیے کڑے احکام موجود ہیں کہ وہ اپنے کاروبار میں، آدمی اور آدمی اور قوم اور قوم کے درمیان، عدل و انصاف سے کام لیں۔ انہیں تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ احتیاط رکھیں کہ کہیں کسی قوم یا قبیلہ سے ان کے غیر دوستانہ جذبات ان کے تصور عدل کو دھندلانہ کر دیں۔ شومئی قسمت سے ماضی میں مسلم افراد اور مسلم مملکتیں بعض اوقات اس اعلیٰ معیار سے عہدہ برآ ہونے میں قاصر رہی ہیں، لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اسلامی اصولوں میں فی نفسہ کوئی جبلی خرابی ہے۔ اکثریت نے "قرارداد مقاصد" کی صورت میں جو عہد اقلیت سے کیا ہے، یہ نہیں کہ مسلمان ہی اس بات کا فیصلہ کریں گے کہ اقلیتوں کو کیا کرنا چاہیے، یا کیا نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے برعکس وہ اس بات کا فیصلہ ہدایت خداوندی کے ان تقاضوں پر چھوڑتے ہیں جو اسلام کے بنیادی اصولوں کی شکل میں ان کے سامنے ہیں۔ اگر اقلیتیں پہلے سے قائم کردہ تصورات سے اپنے ذہنوں کو خالی کر سکیں، تو ان کے لیے یہ جان لینا مشکل نہ ہوگا کہ انہیں اُن کے حقوق کی حفاظت کے لیے اعلیٰ ترین ضمانت دی جا رہی ہے۔ لہٰذا جب "قرارداد مقاصد" میں اعلان ہوتا ہے کہ آئندہ دستور میں جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور معاشری انصاف کے اصولوں کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مکمل طور پر اپنایا جائے گا، تو میری رائے میں یہ کوئی تحدیدی شق نہیں، بلکہ توسیعی ہے۔ اسلامی عدل و انصاف کے شواہد جو تاریخ میں ملتے ہیں ان کی نظیر کہیں مشکل سے ہی ملے گی۔ اسلامی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مظلوم اقلیتوں نے اپنے ظالم حکمرانوں سے تنگ آکر اسلامی عملداری میں پناہ ڈھونڈی۔

جیسا کہ وزیراعظم اور دیگر مقررین نے دستور ساز اسمبلی میں تشریح کی، یہ ضروری تھا کہ جمہوریت کی مغشوش اصطلاح کو معین اور واضح کرنے کے لیے "بموجب تصریحاتِ اسلام" کے اضافہ سے متصف کیا جائے۔ آج کل کئی ملکوں میں آمریت، جمہوریت کا سوانگ رچائے بیٹھی ہے۔ دنیا میں ایسی مملکتیں موجود ہیں جو سرمایہ داری کی انتہائی صورت میں درحقیقت مالیاتی عدیدیہ ہیں، لیکن جو جمہوریت کا دعویٰ کرتی ہیں۔ بعض اور مملکتیں ایسی ہیں جن کی اجتماعی زندگی میں عملی طور پر عسکریت موجود ہے اور وہ بھی جمہوریت کا دم بھرتی ہیں۔ اس کے برعکس اسلام کا معاشی انصاف کا تصور رفیع ترین ہے اور اسلامی جمہوریت متذکرہ بالا دونوں انتہاؤں کے درمیان ایک اوسط راستہ اختیار کرتی ہے جو سب سے زیادہ تعداد کے لیے اعلیٰ ترین بہبود کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

دستوری ڈھانچے سے متعلق ایک غلط فہمی دور ہو جانی چاہیے۔ اس بارے میں اسلام مسلمانوں کے اختیار تمیزی کو بڑی حد تک آزاد چھوڑ دیتا ہے۔ قرآن مجید سے اس موضوع پر صرف دو مثبت اصول اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ صدر ریاست کسی انتخابی طریقہ سے خود قوم چُن لے اور

دوسرا یہ کہ قوم کے اُمور افراد کی باہمی مشاورت سے طے پائیں۔ یہ مشاورت کس شکل میں ہو یا کس طریقہ انتخاب کو اپنایا جائے، ایسے اُمور ہیں جن کے متعلق قوم، اقتضائے زمانہ کے لحاظ سے اپنا اختیار تمیزی استعمال کر سکتی ہے۔ اس طرح سے ایک نہایت ترقی پذیر دستوری نصبیہ (مشینری) کا ارتقاء ان دو اصولوں کی روشنی میں ہو سکتا ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ اب یہ بات تخوبی واضح ہو گئی ہو گی کہ "قرارداد مقاصد" میں اسلامی اصولوں کے حوالوں سے اقلیتوں کے مفادات کو کوئی ضعف نہیں پہنچتا۔ قرارداد کے مسودہ نگاروں نے بظاہر یہ تشریح کافی نہ سمجھی کہ اسلامی اصول اپنی نوعیت میں نہایت وسیع ہیں۔ اُنہوں نے صراحتاً یہ بھی قرارداد میں لکھ دیا کہ دستور میں اقلیتوں کے لیے مذہب کے اظہار اور اس پر عمل اور اُن کی ثقافت کی نشوونما کے لیے کافی گنجائش رکھی جائے گی۔ اس سے اقلیتوں کو مذہبی اور ثقافتی آزادی کا یقین دلایا گیا ہے اور اس بارے میں ان کو مسلمانوں کے ساتھ ایک سطح پر رکھ دیا گیا ہے۔ آزادی اور مساوات وہ دو اصول ہیں جن پر جمہوریت کی عمارت کھڑی ہوتی ہے اور قرارداد میں یہ دونوں اصول بدرجہ اتم مؤثر نظر آتے ہیں۔

اقلیتوں اور پسماندہ اور زیردست طبقوں کے جائز حقوق کی نگہداشت کی ضرورت پر قرارداد کی ایک اور شق میں بھی زور دیا گیا ہے۔ اس سے متذکرہ بالا شق کے مطالب کو تقویت پہنچتی ہے اور اس میں بھی مذہبی اور ثقافتی آزادی کی ضمانت موجود ہے۔

ایک اور شق کا عندیہ یہ ہے کہ آئندہ دستور میں بنیادی حقوق کی ضمانت شامل ہو گی اور اُن حقوق میں یکساں قانونی حیثیت، مواقع کی یکسانی، مساوات بہ نظر قانون، معاشری، اقتصادی اور سیاسی عدل، آزادی خیال و اظہار و عقیدہ و مذہب و عبادت و انجمن سازی، قانون اور عوامی اخلاق کی حدود کے اندر داخل ہوں گے۔ اس جامع وضاحت کے بعد مناسب تھا کہ اقلیتوں کے دلوں کے تمام شکوک رفع ہو جاتے۔ اس شق کی رُو سے تمام دیوانی آزادیوں کا پروانہ دے دیا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ شہریوں کی ذات اور جائداد قانون کے تحت مصئون ہوں گی۔ مذہبی آزادی کے نتیجہ کے طور پر ہر شخص کو اختیار ہو گا کہ مذہب کے معاملہ میں جو نسی رائے پسند کرے، بلا خوف اس کا اظہار کرے اور جو طریقہ پرستش کا پسند کرے اس پر عمل کرے۔ سیاسی آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ ہر شخص کو کاروبار حکومت میں شرکت کا مساوی موقع ملے گا۔ اور آخر میں انفرادی آزادی کے طفیل فرد اُن تمام معاملات میں بغیر پابندی کے رہے گا جہاں اجتماعی مفاد کے تقاضے کسی پابندی کے حق میں نہ ہوں۔ ذاتی قانون کے حلقہ میں ہر شہری کو ایک سا درجہ حاصل ہو گا۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ دیوانی، سیاسی، معاشری مساوات قائم کرنے کی ذمہ داری دستور میں قبول کر لی گئی ہے۔ یہ اصول کہ ایک انسان اور

دوسرے انسان کے درمیان کوئی وجہ امتیاز نہیں، تسلیم کر لیا گیا ہے اور قانون اور اخلاق کی حدود کے اندر رہ کر اُسے پوری آزادی ملے گی کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے پنپنے کی سعی کرے۔ یہ شقیں جب ان کے ساتھ پڑھی جائیں جن میں اسلامی اصولوں کی طرف اشارات ہیں تو اُن تمام شکوک کا ازالہ ہو جانا چاہیے جو اب تک اقلیتوں کے دماغوں میں جاگزیں ہیں۔

"قرارداد" کی ایک اور اہم شق عدلیہ کی آزادی سے متعلق ہے۔ عدلیہ کی خود مختاری، ایک فرد یا ایک اقلیت کے لیے، اکثریت کے ظلم یا تشدد کے خلاف، سب سے مضبوط پشت پناہ کا کام دے گی۔ یہ اعلانات ایک دینی آمریت کے تصور سے متناقض ہیں۔ اس امر کا ذکر بھی بے سود نہ ہو گا کہ آئندہ دستور ایک وفاقیہ کی شکل اختیار کرے گا، جہاں وفاقی اکائیوں کو خود اختیاری حاصل ہو گی، البتہ ان اکائیوں کے اختیار و اقتدار کا تعین اور ان کی تحدید، وفاقی مرکز کی مضبوطی اور کارکردگی میں اضافہ کے خیال سے ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ وفاقی اکائیوں کو اپنی آبادی کے مفاد اور اس کے خاص حالات کے پیش نظر، پھولنے پھلنے کے لیے، تمام جائز سہولتیں مہیا ہوں گی۔

حیثیتِ مجموعی دیکھا جائے تو "قرارداد مقاصد" ایک ایسے دستور کی نشاندہی کرتی ہے جس کے زیر سایہ شہریوں کا کوئی طبقہ گھٹی ہوئی زندگی گزارنے پر مجبور نہ ہو گا۔ اقلیتوں کو پاکستان کی ترقی اور عظمت میں پورا حصہ لینے کے مواقع ملیں گے، اور اس اعزاز کی تحقیر نہیں کی جا سکتی۔ اقلیتوں کے سامنے ایک بھرپور اور کامیاب زندگی کا میدان کھلا ہے۔ ہم سب کی دعا یہی ہونی چاہیے کہ یہ تجربہ جو لبدی، روحانی اور اخلاقی اصولوں کی روشنی میں دستور وضع کرنے کا کیا جا رہا ہے، بار آور ہو اور بنی نوع انسان کی منظم ترقی اور بہبود میں معاون ہو — پاکستان زندہ باد!

عبدالکریم عابد

مسیحی احتجاج

توہین رسالت کے قانون پر سزا کے خلاف احاطہ عدالت کے سامنے جان جوزف کی خودکشی اور فیصل آباد، ساہیوال، سمندری میں مسیحیوں کے احتجاجی مظاہروں نے ناخوشگوار صورت حال پیدا کر دی ہے اور پاکستان میں مسلم - مسیحی تعلقات میں اس سے جو کشیدگی ہو گئی ہے، اس کا جلد از جلد ازالہ ہونا چاہیے۔ مسلمانوں، عیسائیوں اور پاکستان کا مفاد اسی میں ہے، لیکن کشیدگی کو بڑھانے اور ہوا